امیر معاویہ
اور
قدیم مؤرخین و محدثین

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

ناشر

خسرو قاسم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

آج کل ناصبیت نے اپنا پورا زور لگا رکھا ہے اور اس کے Agent اہل سنت کی صفوں میں ایسے گھس گئے ہیں کہ انھوں نے اہل سنت کے عوام الناس کے عقاید پر اپنے زہر کے اثرات بری طرح سے چھوڑے ہیں۔

انھیں میں سے یہ ہے کہ اب لوگ امیر معاویہ کو سیدنا علی کا مدمقابل سمجھنے لگے ہیں اور دونوں کے بیچ تقابل کرنے لگے ہیں، اسی موضوع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر رضوان ندوی نے ایک مقالہ تحریر کیا تھا جو کافی عرصہ پہلے پاکستان میں چھپا تھا، ہم اس کی افادیت کے پیش نظر اُسے کتابی شکل میں شایع کرا رہے ہیں، ڈاکٹر رضوان ندوی ہندوستان کی عظیم علمی درس گاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ سے فارغ ہیں، اس کے علاوہ انھوں نے پچاس کی دہائی میں مکہ مکرمہ اور دمشق یونیورسٹی کے شریعہ کالج میں عربی و دینی علوم پڑھے ہیں اور انگلستان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے بعد دس سال سعودی عرب کی اسلامی یونیورسٹی اور چودہ سال لیبیا کی Benghazi University میں پڑھایا ہے۔ آپ کی بہت سی تصنیفات عربی اور اردو میں چھپ کر مقبول ہو چکی ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ تادم آخر مجھے اسی طرح اہل بیت اور سیدنا علی کے دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

طالب شفاعت رسول ﷺ
خسرو قاسم
Assistant Professor
Mechanical Engineering Dept.
AMU, Aligarh
(Mob. 08755878084)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امیر معاویہ اور قدیم مؤرخین ومحدثین

ہر پڑھا لکھا مسلمان جانتا ہے کہ امیر معاویہ ایک صحابی تھے، لیکن ان کے تفصیلی حالات کو صرف وہی جانتے ہیں جنہوں نے اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ عام لوگوں کی بات نہیں، میں نے کراچی میں ڈیفنس سوسائٹی کی دو مساجد کے ائمہ سے جمعہ کے خطبہ میں امیر معاویہ کا ذکر سننے کے بعد ان سے پوچھا کہ امیر معاویہ کب اسلام لائے تھے، تو پتہ چلا کہ وہ دونوں امام اس سے بے خبر تھے، بلکہ ان کے امتیاز کو تو اور بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں جو یہ ہے کہ وہ اسلام میں پہلی سلطنت یعنی مملکت بنی امیہ یا ''دولت اموی'' کے بانی تھے، اس لیے ہمارے قدیم محدثین ومؤرخین نے ان کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں، لیکن چونکہ درس نظامی کے نصاب میں اسلامی تاریخ کا موضوع نہیں پڑھایا جاتا ہے، اس لیے مدارس کے فارغ التحصیل مولویوں کو (جو بعد میں مولانا اور مفتی بن جاتے ہیں) بھی امیر معاویہ کے حالات زندگی کا تھے۔

اتوار 2 جون کو ''امت'' میں ایک ''علامہ'' اورنگزیب فاروقی صاحب کا ایک مضمون ''سیدنا امیر معاویہ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے امیر معاویہ کے مناقب بیان کیے ہیں۔ اس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف قدیم محدثین ومؤرخین کے بیانات سے اعراض کیا ہے بلکہ قرآن کریم کی صحابہ کرام سے متعلق آیات سے اغماض کیا ہے۔ ''علامہ'' صاحب کی کسی عربی واردو تصنیف کا کم از کم مجھے علم نہیں۔ میرے نزدیک اس لقب کے مستحق مولانا سید انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ وغیرہ جیسے لوگ ہیں، جن میں سے ہر ایک نے

عربی، اردو میں دسیوں کتابیں اسلامی موضوعات پر لکھی ہیں اور موٴخر الذکر نے تو انگریزی میں بھی سیرت و تاریخ پر بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مضمون نگار موصوف نے ایک اسلامی فرقے کے انداز پر جن میں ہر مجلس پڑھنے والا یا مولوی علامہ ہوتا ہے، اپنے لیے علامہ کا لقب اختیار کیا ہوتا ہے۔

بہر حال جب مضمون کے مندرجات پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ مضمون نگار صاحب کو امیر معاویہ سے بہت زیادہ محبت ہے، محبت ان کا حق ہے لیکن تاریخی حقائق سے صرفِ نظر کرنا یا ان کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا کسی طرح درست نہیں۔ یہ مضمون صرف اس لیے لکھا گیا ہے کہ قارئین کو کسی تعصب اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے دور رہ کر صحیح معلومات بہم پہنچائی جائیں۔

مضمون نگار ''علامہ'' صاحب نے اپنا مضمون اس طرح شروع کیا ہے ''سیدنا امیر معاویہ، ایک جلیل القدر صحابی رسول، عظیم المرتبت خلیفہ، کاتب وحی، اللہ کی وحی کے امین، رازدار رسول ﷺ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان غنیؓ کے معتمد خاص تھے۔ یہ وجہ ہے کہ آپ خلافت صدیقیؓ، خلافت فاروقیؓ اور خلافت عثمانیؓ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے''۔

یہ عبارت حقیقت کے خلاف ہے۔ اگر امیر معاویہ ہی ''جلیل القدر صحابی اور عظیم المرتبت خلیفہ تھے، تو پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی کے لیے کون سے الفاظ مدح باقی رہ گئے؟ صحابی کے بارے میں قرآن کریم نے فیصلہ دے دیا ہے جو اٹل ہے، اس فیصلے نے ان کے درجات متعین کر دیے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الحدید کی آیت مین صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: '' **لا یستوی منکم من انفق من قبل انفتح و قاتل اولک اعظم در جتہ من الذین انفقو من بعد و قاتلوا، و کلا و علی اللہ لحسنی**''(حدید 10)۔(ترجمہ: ''تم لوگوں میں سے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے انفاق کیا اور جنگ کی وہ (اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا) برابر نہیں ہو سکتے، وہ ان لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں انفاق کیا اور اللہ کے راستے میں) جنگ کی، سب کے لیے اللہ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے'') اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ امیر معاویہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ذہبی کے مطابق وہ

اوران کے والد و بھائی یزید بن ابی سفیان طلقا اور ''مولفتہ القلوب'' (وہ نومسلم جن کو اسلام پر قائم رکھنے کے لیے ان کی مالی مدد کی جاتی ہے) میں سے تھے، اور طلقا وہ اہل مکہ ہیں جو جنگی عرب قوانین کے مطابق سب قیدی اور غلام بنائے جا سکتے تھے، لیکن حضورﷺ نے ان خوف زدہ اہل مکہ کو ''**اذھبوا فانتم الطلقای**'' (جاؤتم سب آزاد ہو) کی نوید سنا کر سب کو آزاد کر دیا، حوالے آگے آتے ہیں۔

پھر وہ (معاویہ) **اسابقون الا ولون من المھا جرین و الانصار** میں بھی شامل نہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 100 میں اپنی خوشنودی کی خبر دی اور ساتھ ہی ان کو بھی، جنہوں نے ان **سابقون اولون** (اولین مسلمان) کا بخوبی اتباع کیا، یعنی فتح مکہ سے قبل کیونکہ فتح مکہ اور اس کے بعد تو طاقت کے بل پر مکہ اور تمام دیگر مقامات و قبائل میں اسلام پھیل گیا تھا اور اب اسلام لانے والوں کا کسی طرح وہ درجہ نہیں تھا، جو سابقون اولون اور فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والوں کا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الواقعہ آیت نمبر 10۔ میں ان کو **السابقون السابقون** کے نام سے یاد کیا اور **اولئک المقربون** (آیت 11) کے لقب سے ان کا اعلیٰ درجہ متعین کر دیا ہے۔ اور یہ **السابقون السابقون**، مقربین بارگاہ خداوندی کون ہیں؟ یہ ہیں ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، ابو عبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیرؓ بن عوام، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، طلحہؓ، سعید بن زید بن عمر رضوان اللہ علیہم عشرہ مبشرہ بالجنتہ، یعنی وہ صحابہ کرام جن کو حضورﷺ نے جنت کی بشارت دی، پھر دوسرے سابقو اولون میں یاسرؓ ان کی بیوی سمیہؓ، بیٹا عمارؓ، بلالؓ صہیب، مقدادؓ، ارقمؓ، عبداللہؓ ابن مسعود، خالدؓ بن سعید، زید بن حارثہؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت جعفرؓ حضرت ابوذر وغیرہ وغیرہ دسیوں بیسیوں صحابہ کرام ہیں۔ یہ ہیں جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ اور پھر وہ انصار مدینہ جنہوں نے حضورﷺ پر ایمان لانے والوں کو بلکہ اسلام کو مدینہ میں پناہ دی، جن میں سعد بن معاذؓ، اسیدؓ بن حضیر، معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن الصامتؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ وغیرہ بیسوں دیگر انصار ہیں، جن کی مہاجرین اولین کے ساتھ جاں نثاریوں اور قربانیوں سے اسلام کو بقا ملی، ان کی جلالت قدر پر تاریخ شاہد ہے، نہ کہ وہ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے نہ کہ وہ جن کو اسلام دسیوں غزوات کے

بعد مکہ اور دیگر مقامات پر زیر کر چکا تھا۔

''علامہ'' صاحب نے بالکل غلط لکھا ہے کہ امیر معاویہ سیدنا عمر بن الخطابؓ کے معتمد خاص تھے، بلکہ حضرت عمرؓ نے تو ان کو جب سبز عمدہ لباس پہنے داخل ہوتے دیکھا تو ان کو درے مارے، کچھ صحابہ کے سامنے، ان صحابہ نے جب اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے اوپر اشارہ کر کے بتایا کہ میں نے ان کے بڑائی کے احساس کو ختم کرنا چاہا۔ ابن کثیر اور دوسروں کی روایت میں لفظ ''شمخ'' ہے، جس کے معنی تکبر کے ہیں (ابن کثیر: البدایہ و النہایۃ 8/125، ابن حجر: الاصابۃ 434/3) ابن کثیر اور حافظ ابن ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ جب امیر معاویہ کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے، یہ عربوں کا کسریٰ ہے۔ تو وہ کس طرح حضرت عمرؓ کے معتمد خاص ہو سکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کے سوتیلے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان جن کو حضرت ابو بکرؓ نے چار لشکروں کے ساتھ شام و فلسطین کی فتح کے لیے بھیجا تھا، ان میں سے ایک لشکر کے کمانڈر یہ تھے، طاعون عمواس میں 18ھ میں ان کا انتقال شام ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے ان کے چھوٹے بھائی کو جو ان کے ساتھ لشکر میں گئے ہوئے تھے مواسات کرتے ہوئے دمشق کا امیر (گورنر) بنا دیا تھا۔ لیکن وہ کسی اور اعلیٰ عہدے پر فائز نہیں رہے۔ یہ بات تو صریحی مبالغہ آرائی ہے کہ وہ خلافت صدیقی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے، کسی بھی مستند عربی و اردو تاریخ میں یہ مذکور نہیں۔ امام بخاری و امام مسلم نے بہت سے صحابہؓ کی منقبت و فضیلت میں باب باندھے ہیں لیکن انہوں نے امیر معاویہ کی منقبت میں کچھ نہیں لکھا ہے۔

مضمون نگار صاحب نے امیر معاویہ کی پیدائش کا سال بھی غلط لکھا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ابن کثیر اور ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کی پیدائش بعثت نبوی سے پانچ سال قبل ہوئی، لیکن موصوف نے عیسوی سال سے غلط حساب لگا کر تاریخ پیدائش 608ء دی ہے، صحیح تاریخ 605ء بنتی ہے، کیونکہ بعثت نبوی عیسوی سنین کے حساب سے 610ء معروف ہے۔ پھر یہ کہ عیسوی تاریخ لکھ کر ابن حجر کی کتاب الاصابہ اور ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کا حوالہ دینا تو ایک فضول سی بات ہے کیونکہ ان کتابوں میں عیسوی سنین مذکور ہی نہیں۔

امیر معاویہ کے قبول اسلام کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں: ''حضرت امیر معاویہؓ

ظاہری طور پر فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، مگر حقیقت یہ ہے آپ اس سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ مشہور مورخ واقدی کہتے ہیں: ''حضرت معاویہؓ صلح حدیبیہ کے دن اسلام لائے مگر آپ نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن ظاہر کیا''۔ واقدی کے اس قول کا محترم مضمون نگار نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ درحقیقت ابن سعد (230ھ) نے اپنی کتاب الطبقات الکبریٰ (ج7 ص406) میں خود امیر معاویہ کا بیان لکھا ہے کہ وہ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے تھے اور اسے اپنے باپ سے چھپاتے تھے اور پھر فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا، یہ واقدی کا نہیں بلکہ ابن سعد کا بیان ہے، اس میں بھی صلح حدیبیہ کا دن نہیں بلکہ سال لکھا ہے۔

آگے مولانا اورنگزیب نے ابن سعد کے حوالے سے امیر معاویہ کا اپنا بیان لکھا ہے کہ ''میں عمرۃ القضاء کے روز اسلام لایا تھا۔ لیکن اپنے والد کے ڈر سے اپنے ایمان کو فتح مکہ تک چھپائے رکھا''۔ یہاں موصوف نے حوالہ البدایہ والنہایہ (ج8 ص118) کا دیا ہے۔ البدایۃ والنہایہ کے صفحہ مذکورہ پر ابن سعد کا یہ قول سراسر موجود نہیں۔ بلکہ جلد 8 کے صفحہ 117 پر کتاب کے مصنف ابن کثیر نے ایک کمزور یا غیر مستند انداز بیان میں ''وردی عنہ (اور معاویہ سے یہ روایت کیا گیا ہے) کہہ کر اوپر کی بات کہی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مضمون نگار صاحب کو دا ابن کثیر کا ابتدا میں ہی امیر معاویہ کے نام فوراً بعد یہ قول نظر نہیں آیا کہ: ''**اسلم معاویه عام الفتح**'' (معاویہ یہ فتح مکہ کے سال اسلام لائے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود امیر معاویہ کی زبان سے یہ لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ سے ایک سال پہلے عمرۃ القضاء کے موقع پر یعنی سن 7ھ میں اسلام لائے جبکہ ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات الکبریٰ میں ان (معاویہؓ) کا یہ بیان لکھا ہے کہ وہ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے، یہ متضاد بیانات ہیں اور عربی اصول بیان: **اذاتنا قضا تساقطا** (یعنی جب دو اقوال متناقض ہوتے ہیں تو وہ دونوں بےکار قرار پاتے ہیں) کے مطابق ساقط ہیں۔

اس طرح امیر معاویہ نہ تو صلح حدیبیہ کے سال یعنی 6ھ میں اسلام لائے اور نہ عمرۃ القضاء کے موقع پر بلکہ جیسا کہ واقدی اور ابن سعد نے دوسری جگہ لکھا ہے وہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے۔ ابن سعد نے اپنی طبقات (ج4) کے ایک علی حدہ باب

(389-392) میں عنوان: الصحابه الذین اسلمو اقبل فتح مکه (وہ صحابہ جو فتح مکہ سے قبل اسلام لائے) کے تحت 143 ایسے صحابہ کے حالات لکھے ہیں، ان میں امیر معاویہ کا نام نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد ہی اسلام لائے۔ مضمون نگار نے یہ غلط لکھا ہے کہ ''شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان ایک صحابی اور خلیفہ راشد ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، یہ نہ ان کی بڑی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں ہے اور نہ چھوٹی مختصر کتاب تقریب التہذیب میں ہے، مضمون نگار کا حوالہ غلط ہے، پھر یہ کہ امیر معاویہ کے مفصل حالات الاصابۃ میں ہیں اور وہی لائق اعتبار ہیں۔ مضمون نگار کے دعوے کے برعکس واقدی پر تنقید کرتے ہوئے (جو تمام محدثین کے نزدیک ویسے بھی جھوٹا سمجھا جاتا ہے) لکھا ہے کہ واقدی کی امیر معاویہ کے فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والی روایت کو بخاری و مسلم کی روایت جھٹلاتی ہے، جو حضرت سعد بن وقاصؓ نے حج کے مہینوں میں عمرہ سے متعلق بیان کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم نے یہ عمرہ ادا کیا اور یہ (معاویہ) اس وقت کافر تھے''۔ (الاصابۃ 3/433) (جاری ہے)

اور پھر انتہائی اہم بات اس موضوع پر حافظ ابن القیمؒ نے کہی ہے: ''ولا خلافت ان ابا سفیان و معاویه اسلمافی فتح مکه سنه ثمان'' (اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ابوسفیان اور معاویہ فتح مکہ کے موقع پر سن 8ھ میں اسلام لائے)۔ حافظ ابن القیم کے استاد ابن تیمیہ نے اپنے مجموعہ فتاویٰ اور منہاج السنۃ میں لکھا ہے اور سیرت نبوی کی تمام مفصل کتابوں میں مذکور ہے کہ معاویہ، ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان اور والد طلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، غزوہ حنین کے مال غنیمت سے رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ اور چالیس چالیس چھٹانک چاندی (درہم) دی تھی، دیگر مؤلفۃ القلوب سرداروں کی طرح تاکہ وہ اسلام پر قائم رہیں۔ اگر امیر معاویہ فتح مکہ سے قبل صلح حدیبیہ (6ھ) یا عمرۃ القضاء (7ھ) کے موقع پر اسلام لائے ہوتے تو غنیمت کے مال سے ان کا یہ حق نہیں بنتا تھا اور نہ حضور ﷺ ان کو یہ رقم اور اونٹ دیتے، نہ ان کو خود لینا چاہیے تھا۔ اور پھر وہ کون سا صحابی تھا جس نے اپنے ماں باپ یا آقا کے ڈر سے اسلام چھپایا، بلالؓ، عمارؓ، صہیبؓ وغیرہ صحابہ نے انتہائی ظلم برداشت کیے، مگر اپنے اسلام کو نہیں چھپایا۔ یہ تاریخ و

حدیث کے بالکل برخلاف بات ہے کہ وہ فتح مکہ سے قبل سن 6 یا 7 ھ میں اسلام لائے۔ ان کو مؤلفۃ القلوب میں سے ابن ہشام السیرۃ ص 394 ج 4) اور ابن خزام جوامع السیرۃ (ص 245) اور ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ (4/360) وغیرہ نے بھی شمار کیا ہے۔ اسی طرح مضمون میں الصابۃ کا یہ حوالہ بھی غلط ہے کہ امیر معاویہ کاتب وحی تھے، جس کا جی چاہے حافظ ابن حجر کی اس کتاب کی تیسری جلد میں معاویہ کے حالات پڑھ لے، اس میں کہیں ان کو کاتب وحی نہیں لکھا ہے۔ یہ بات لوگوں نے خواہ مخواہ مشہور کر دی ہے اور افسوس کی بات ہے کہ حافظ ابن کثیر بھی اس رو میں بہہ گئے ہیں۔ جہاں تک حافظ ابن حجر کا تعلق ہے۔ جو ابن کثیرؒ سے زیادہ وسیع العلم اور حافظ حدیث و مؤرخ ہیں، انہوں نے تو تمام کتب تاریخ کی طرح پہلے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے: ''و کتب لہ ''(اور معاویہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے لکھا) ملاحظہ کیجیے کہ اس میں کہیں کتابت وحی کا ذکر نہیں۔ پھر آگے چل کر اسی الاصابۃ (3/434) میں قدیم ترین مؤرخ المدائنی (وفات 225 ھ) کے حوالے سے لکھا ہے ''**کان زید بن ثابت یکتب الوحی. و کان معاویہ مکتب للنبی ﷺ فیما بینہ و بین العرب** ''(زید بن ثابتؓ وحی لکھا کرتے تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ، نبی ﷺ کے لیے، آپ ﷺ کے اور عربوں کے درمیان جو معاملات ہوتے تھے وہ لکھا کرتے تھے) یعنی حضور ﷺ کے خطوط اور معاہدات لکھا کرتے تھے۔ اور یہی بات ابن حجر سے ایک صدی قبل امام ذہبی نے امیر معاویہ کے مفصل سوانح حیات میں لکھی ہے اور انہوں نے اس کتابت کی حقیقت بھی اس طرح بیان کی ہے: ''**و کتب المرات یسیرۃ** ''(چند ہی مرتبہ انہوں نے حضور ﷺ کے لیے ایسی کتابت یا خطوط نگاری کی) اسیر اعلام النبلائ، الذہبی ج 3 ص 321۔

قدیم ترین مؤرخ ابوالحسن المدائنی کی کاتبین نبی ﷺ سے متعلق کتاب تو اب مفقود ہے، لیکن ایک قدیم مؤرخ ابن عبدوس الجہشیاری کی اسلام میں وزیروں اور Secretaries سے متعلق کتاب ''الوزراء والکتاب''مطبوع ہے، جس میں سب سے پہلے عہد نبوی یا حضور ﷺ کے کاتبوں کا ذکر اور ان کے اختصاصات بتائے گئے ہیں۔ گویا یہ حضور ﷺ کے مستقل منشیوں یا آفس اسٹاف کا ذکر ہے۔ اس میں وحی لکھنے والوں میں

حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ زید بن ثابتؓ کتابت وحی کے ساتھ بادشاہوں اور حکمرانوں کو آپ ﷺ کی طرف سے خطوط لکھتے تھے، جب کہ حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ اور امیر معاویہ آپ ﷺ کی روزمرہ کی ضروریات (حوائج) لکھا کرتے تھے۔ یہ ملحوظ رہے کہ محمد بن عبدوس الجہشیاری خود عہد عباسی میں (تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے ربع اول میں) عباسی خلفاء کے یہاں کاتب (سیکریٹری کے عہد پر مامور تھے۔ ان کا سال وفات 331ھ ہے پھر حافظ ابن حجر نے بخاری کی اپنی مشہور شرح فتح الباری جلد 7 میں امیر معاویہ کے ذکر میں صرف اتنا لکھا ہے: ''وصحب النبی ﷺ و کتب له''، یعنی نبی ﷺ کی صحبت حاصل کی اور ان کے لیے کتابت کی''۔ انہوں نے یہ قطعاً نہیں لکھا ہے کہ معاویہ نے وحی کی کتابت کی۔ (فتح الباری ج 7 ص 104)۔ اس طرح ابن حجر کا بیان الاصابہ اور فتح الباری دونوں میں یکساں ہے، یعنی صرف ''کتابت'' کا ذکر ہے، کتابت وحی کا ذکر سرے سے نہیں۔

امام ذھبیؒ جو انتہائی ثقہ محدث اور وسیع الاطلاع قدیم مؤرخ ہیں (وفات 748ھ) انہوں نے بھی کہین معاویہ کی کتابت وحی کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اپنی تاریخ الاسلام (عہد معاویہ، تحقیق عبدالسلام، بیروت، ص 309) اور سیر اعلام النبلاء میں تصریح کی ہے کہ: "**کان زید بن ثابت کا تب الوھی و کان معاویه کاتبافیما بین النبی ﷺ وبین العرب**'' (زید بن ثابتؓ کاتب وحی تھے اور معاویہ آپ ﷺ کے اور عربوں کے مابین جو معاملات ہوتے تھے، ان کے کاتب تھے) یہ وہی بات ہے جو ذھبی سے چارسو سال قبل تیسری و چوتھی صدی ہجری کے مذکورہ بالا مؤرخ و کاتب (سیکریٹری) محمد بن عبدوس جہشیاری نے لکھی ہے۔

اور ان سے قبل مشہور مفسر، محدث اور مؤرخ امام طبریؒ نے بھی حضرت معاویہ کو کاتب وحی نہیں بلکہ یہی لکھا ہے:"**معاویه یکتب بین یدیه فی حوائجه** '' (اور معاویہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے آپ کی ضرورتوں کے امور لکھتے تھے)۔ تاریخ طبقہ دارالمعارف القاھرۃ ج 6 ص 179)۔ طبری کے بعد مؤرخ المسعودی (وفات 347ھ)

نے زیادہ تفصیل سے التنبیہ والاشراف میں آپ ﷺ کے دس مستقل کاتبین کا ذکر کیا ہے، جومختلف امور میں کتابت کے ذمہ دار تھے، یعنی یہ آپ کا سیکریٹریٹ تھا اور پانچ ان کاتبین کا ذکر کیا ہے جو کبھی کبھار آپ ﷺ کی کسی معاملے میں کتابت کرایا کرتے تھے۔ انہی میں معاویہ کا بھی ذکر ہے اور یہ تصریح کی ہے: ''و کتب معاویہ قبل و فاتہ باشہر ''(اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وفات سے چند ماہ قبل کتابت کی)، (القاھرۃ 1938 ص 246)۔

مضمون نگار نے کتابت وحی کے سلسلے جو حوالہ ابن حزم کی کتاب جوامع السیر ہ سے دیا ہے، اس میں قطع و برید واضافے سے کام لیا ہے۔ انہوں نے زید بن ثابتؓ کی مستقل طور پر کتابت وحی کے ذکر بعد فتح مکہ کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی کتابت کا ذکر کیا ہے، لیکن انہون نے معاویہ کے نام کے بعد ''وغیرہ ذلک من الامور '' کا جملہ لکھا ہے (جمہرۃ التواریخ ص 27) اور ہم نے دوسرے قدیم مؤرخین کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی ان معاملات میں کتابت کرتے، جوان کے اور سرداران قبائل کے مابین ہوتے تھے۔ عصر حاضر میں ڈاکٹر مصطفیٰ الاعظمی نے کتاب النبیؐ کے نام سے جو کتاب لکھی ہے (61 کاتبین کے حالات) اس میں معاویہ کو کاتب وحی نہیں لکھا ہے۔

بڑا افسوس اس بات کا ہے کہ امیر معاویہ کی کتابت وحی کا ڈھول پیٹنے والے اس اظہار سے تغافل برتتے ہیں کہ وہ ظہور اسلام کے اکیس سال بعد اسلام لائے، فتح مکہ کے موقع پر جیسا کہ ہم نے مختلف شواہد سے ثابت کیا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اکیس سال تک کون قرآن لکھ رہا تھا؟ مکی عہد کی سورتوں اور اولین آٹھ سالہ مدنی عہد کی سورتوں کے نزول کے وقت معاویہ اسلام ہی نہیں لائے تھے اور ان اکیس برسوں میں بہت زیادہ قرآن لکھا جا چکا تھا، آخر کے دو برسوں میں تو بہت کم قرآن لکھا گیا۔ درس نظامی کے مدارس میں اسلامی تاریخ پڑھائی نہیں جاتی ہے۔ افسوس کہ دروس حدیث پڑھاتے ہوئے رجال حدیث اور صحابہ کے حالات سے انہیں بےخبر رکھا جاتا ہے، افسوسناک حد تک۔ مجھے اس کا ذاتی تجربہ کراچی میں ہوا۔ ڈیفنس کی دو مساجد میں نماز جمعہ میں، میں نے خطبہ جمعہ میں، دوسرے خطبہ میں خلفائے راشدینؓ کے نام کے ساتھ معاویہؓ کا نام بھی سنا تو پہلی مرتبہ مسجد سے باہر نکلتے ہوئے میں نے امام صاحب سے کہا کہ آج آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت سعد

بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ ''السابقون الاولون'' صحابہ پر بڑا ظلم کیا، بڑے سٹ پٹائے کہ کیا بات ہوئی ؟۔ مین نے کہا کہ آپ نے ان جلیل القدر صحابہ کا م نام تو دعا کے ساتھ دوسرے خطبے میں لیا نہیں اور معاویہ کا نام لیا، جو بہت بعد میں اسلام لائے ،ساتھ ہی میں نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ امیر معاویہ کب اسلام لائے تھے؟ تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں ینھ جب بتایا کہ وہ حضور ﷺ کی وفات سے صرف دو سال قبل سن 8 ھ میں اسلام لائے تھے تو بڑے خاموش ہوئے۔

دوسرے صاحب جو ملتان کے کسی بڑے مدرسے کے فارغ التحصیل تھے۔انہوں نے اپنے خطبہ کا پہلا حصہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا تصنیف کردہ پڑھا، دوسرا خطبہ جس میں خلفائے راشدین کے ساتھ امیر معاویہ کا نام تھا، میں نے موصوف سے پوچھا کہ آپ نے دوسرا خطبہ مولانا تھانوی صاحب کا نہیں پڑھا، وہ کس کا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ وہ مفتی رشید احمد صاحب کا تحریر کردہ ہے۔مولانا تھانوی کے خطبہ ثانیہ میں امیر معاویہ کا نام نہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بتایئے معاویہ کب اسلام لائے ،تو وہ بھی پہلے خطیب کی طرح اس سے لاعلم تھے، مجھ سے کہنے لگے آپ بتایئے، میں نے جب بتایا کہ وہ ظہور اسلام کے اکیس سال بعد سن 8 ھ میں اسلام لائے تو کھسیانے سے ہوئے۔لوگوں نے ان کی کتابت وحی کا اتنا پروپیگنڈا کیا ہے کہ لوگ ان کو اولین صحابہ میں سے سمجھنے لگے ہیں۔ان کو معلوم نہیں کہ وہ نہ مہاجرین میں سے تھے اور نہ انصار میں سے، جن کی فضیلت قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہے۔

اورنگزیب صاحب تو ان کے ایسے مداح ہیں کہ کاتب وحی کے ساتھ ساتھ انہوں نے معاویہ کو ''راز دار رسول'' بھی لکھ دیا ہے، یہ یا تو لاعلمی ہے یا صریحی غلط بیانی ہے۔ وہ سیرت ابن ہشام پڑھیں تو ان کو صاف معلوم ہوگا کہ **رازدار رسول** ﷺ (**امین سرالنبی** ﷺ) **حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ تھے**، جو جنگ تبوک میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور اس موقع پر ان کو آپ ﷺ نے بعض منافقین کے نام بتادیے تھے اور ہدایت کی تھی کہ وہ کسی کو نہ بتائے جائیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بہت پوچھا، لیکن انہوں نے نہیں بتایا، رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کو یہ نام بتادیے۔ حافظ

ابن حجر نے بخاری و مسلم کے حوالے سے ان کا لقب ''صاحب السر'' لکھا (راز دار) ہے۔ کسی قدیم عرب مصنف نے معاویہ کو ''صاحب السر'' نہیں لکھا ہے، وہ ہو بھی کیسے سکتے ہیں؟ وہ تو حضور ﷺ کی وفات سے صرف دو سال پہلے اسلام لائے تھے اور ان کے والد ابوسفیان پر آپ ﷺ نے جنگ احد کے موقع پر لعنت بھیجی تھی، کہا تھا: ''**الھم العن اباسفیان**'' (امام ذھبی سیر اعلام النبلاء 3/564، بحوالہ امام ترمذی)

امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ کے استاد مشہور محدث اسحاق بن راھویہ نے تصریح کی ہے: ''**لا یصح عن النبی فی فضل معاویه شئ**'' (نبی ﷺ سے معاویہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے)۔ بعد میں امام ابن جوزی نے حدیث: ''**اجعله شادیا و مهدیا**'' (اے اللہ اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا) کو اپنی کتاب ''**العلل المتاھیة فی الاحادیث الواھیه**'' (نشر ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد، طثانیہ 1981) کی کتاب الفضائل والمناقب ص 274 پر موضوع لکھا ہے اور مسند الامام احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مشہور روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو بھیجا کہ معاویہ کو بلا کر لائیں، وہ تین مرتبہ آپ ﷺ کے حکم پر بلائے گئے، تینوں مرتبہ انہوں نے آ کر بتایا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے بد دعا دی: **لا أشبع اللہ بطنه** (اللہ کبھی اس کو شکم سیری نہ دے) اس کا نتیجہ تھا کہ وہ دن میں سات بار کھانا گوشت و حلوہ وغیرہ کھاتے تھے، لیکن شکم سیر نہیں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ میں کھانے سے تھک جاتا ہوں، اس لیے رک جاتا ہوں، لیکن پیٹ نہیں بھرتا

(ذھبی، سیر اعلام النبلاء 3/123) وابن کثیر 8)

مسند ابوداؤد الطیالسی کے حوالے سے ذھبی (سیر اعلام النبلاء 3/143) اور ابن کثیر 8/131) نے بیان کیا ہے کہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ کیا آپ کو اس پر کوئی تعجب نہیں کہ طلقاء میں ایک شخص (معاویہ) محمد ﷺ کے صحابہ سے خلافت پر نزاع کر کے خلافت پر قابض ہو گیا، تو انہوں نے جواباً کہا: تعجب کی کیا بات ہے؟ یہ اللہ کا اقتدار ہے، وہ نیک کو بھی دیتا ہے اور فاجر کو بھی، فرعون نے تو مصر میں چار سو سال تک حکومت کی (مختلف فرعونوں نے چار سو سال تک حکومت کی)۔

امام ذھبی نے فیصلہ دیا ہے کہ: ''اگرچہ صحابہ میں سے ان کے علاوہ دوسرے ان سے بہت بہتر، افضل اور قابل تھے، لیکن انہوں (معاویہ) نے انتہائی عقل مندی، بردباری اور سیاسی عقل سے حکومت کی اور ان کی کچھ خطا کاریاں و امور ہیں، حساب اللہ کے سامنے ہونے والا ہے''۔(سیر الاعلام 3/133) اور بیالیس صفحات میں ان کے حالات لکھنے کے بعد ذھبی کا آخری فیصلہ ہے: ''اور معاویہ بہترین بادشاہوں میں سے تھے، اور وہ معاویہ خطا کاریوں سے بری نہیں ہے، اللہ ان کو معاف کرے''۔(سیر الاعلام 3/159)

ملحوظ رہے کہ امام ذھبی نے ان کو خلیفہ نہیں ''خیر الملوک'' (بہترین بادشاہ) کہا ہے، کیونکہ تمام تواریخ میں لکھا ہے اور امام ابن تیمیہ اور ابن خلدون نے بھی نقل کیا ہے کہ وہ خود کو ''اول الملوک'' (اسلام میں پہلا بادشاہ کہتے تھے) اور ان کے طور پر طریقے بھی بادشاہوں جیسے تھے، کارڈس، محل (خضراو نامی)، خواجہ سرا خادم وغیرہ۔

اسلام میں بادشاہت کے بارے میں صحابی رسول ﷺ سفینہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے: **الخلافة بعدی ثلاثون ثم تکون ملکا** (ابوداؤد مسند الطیالسی) اور خلافت سیدنا حسن رضی الہ عنہ کی خلافت کے فوراً بعد سن 41ھ میں ختم ہوگئی کہ خلافت کے تیس سال پورے ہوگئے تھے۔ امام ذھبی اور دیگر کے بقول پھر معاویہ حکمراں ہوئے اور زیب وزینت اور رعب وداب پر انہوں نے بہت توجہ کی، اس کے ساتھ انہوں (ذھبی) نے کہا: ''**ولیتہ لم یعمد بالامر الی ابنہ یزید و ترک الامة مناختیار طھم**'' (اور کاش کہ انہوں نے یزید کو ولی عہد نہیں بنایا ہوتا اور امت کے لیے اختیار چھوڑ دیا ہوتا کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کرے) ذھبی: 3/158۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن حزم نے اپنے رسالہ "**اسماء الخلفاء و الولاۃ و ذکر مدتھم**" (خلفاء اور حکمرانوں کے نام اور ان کی مدت حکمرانی میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے عہد تک تو خلافت کا لفظ لکھا ہے، یعنی خلافت ابی بکر، و عمر، عثمان و علی و حسن رضوان اللہ علیہم اور پھر معاویہؓ کے عہد حکومت کو ''**ولایت معاویہ بن ابی سفیان، ولایة یزید ابنہ**'' اور پھر سب اموی حکمرانوں کے لیے ''ولایت'' کا لفظ لکھا ہے۔ صرف حضرت عمر بن

عبدالعزیزؒ کے لیے خلافت کا لفظ لکھا ہے (جوامع السیر ہ وخمس رسائل اخریٰ صفحہ 356)۔
ایک بڑی اہم بات جو ان کے کتابت وحی کی نفی کرتی ہے، یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پہلی مرتبہ قرآن کو صحف (اوراق) میں لکھا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ ڈیوٹی حضرت زید ابن ثابتؓ کو دی تھی، یہ کہہ کر کہ تم بہت عقل مند نوجوان ہو اور وحی لکھتے رہے ہو، اب تم مختلف مواد تحریر سے نقل کر کے اوراق میں جمع کر دو۔ واقعی انہوں نے پورے قرآن کو علیحدہ علیحدہ ورقوں میں لکھ کر ترتیب سے جمع کر دیا، جو آج ہمارے سامنے ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ان ہی صُحُف سے ایک مصحف (جلد) میں قرآن کے پانچ یا سات نسخے لکھے گئے اور لکھنے کا یہ کام حضرت زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید ابن العاصؓ اور عبدالرحمٰن ابن الحارث بن ہشامؓ کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے قرآن کو ایک جلد میں لکھا، ان ہی اوراق سے جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھے۔ اس طرح جب دو مرتبہ قرآن کی کتابت کی گئی تو دونوں مرتبہ یہ مہم حضرت زید بن ثابت انصاریؓ اور تین قریشی کاتبین وحی کے سپرد کی گئی۔ اگر معاویہ کاتب وحی ہوتے تو ان کو ان لوگوں میں شامل کیا جاتا، جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کے سات نسخے ایک، ایک جلد میں تیار کیے اور وہ مختلف بڑے اسلامی شہروں کو بھیجے گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ کا وحی لکھنے والوں میں شمار نہیں تھا۔ قرآنی علوم پر یہ کتاب کاص طور سے امام سیوطیؒ کی ''اتقان فن علوم القرآن''میں یہ بات تفصیل سے مذکور ہے''۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بخاری میں متعدد صحابہ کے فضائل ''مناقب'' کے عنوان سے لکھے ہیں، لیکن حضرت کا حالات ذکر معاویہؓ کے عنوان سے دیے ہیں اور صرف فقہ کے ایک مسئلے وتر کی بات لکھی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے امام ابن الجوزیؒ کے حوالے سے امام احمدؒ کا حضرت علیؓ معاویہ کے بارے میں بڑے حقیقت افروز قول کھا ہے جو امیر معاویہ کے بارے میں گویا ان کا فیصلہ ہے۔ **''عبداللہ بن احمد نے اپنے والد امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ آپ علیؓ و معاویہؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے سر جھکایا اور پھر کہا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت**

علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے دشمن تھے (یعنی خوارج و ناصبی) ان کے دشمنوں نے بہت کوشش کی کہ ان کو علی رضی اللہ عنہ کا کوئی عیب مل جائے، لیکن ان کو کوئی عیب نہیں ملا توانہوں نے ایک ایسے شخص کے حالات کی طرف رخ کیا، جس نے ان (علی رضی اللہ عنہ) سے جنگ کی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دشمنی میں اس کی تعریف کے ڈونگرے باندھے ہیں''۔ انہوں نے امام احمدؒ کی اس بات کا ماحصل ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''فاشار بھذ االی ما اختلقو المعاویه من الفضائل ممالا اصل له'' (اس سے انہوں نے اشارہ کیا ہے، ان من گھڑت فضائل معاویہ کی طرف جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کے بعد حافظ ابن حجر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ ان کے فضائل میں بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں، لیکن ازروئے اسنا: ان میں سے کوئی صحیح نہیں اور یہی بات پورے یقین کے ساتھ اسحاق بن راھویہ اور امام نسائی وغیرہ نے کہی ہے۔

یہ ہیں امیر معاویہ کی زندگی کے صحیح حالات، ان میں سے بہت سے گوشے ابھی لائق بحث ہیں، یہاں صرف مولانا اورنگ زیب کی غلط بیانیوں کی تصحیح کی گئی ہے،

عام قارئین کو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ ظہور اسلام کے اکیس سال بعد اور وفات نبی سے صرف دو سال پہلے فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور وہ کاتب وحی نہیں تھے۔

☆☆☆